eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

CC BY
OPEN ACCESS

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
Dr.Arshad Mahmood Nashad **Email:** arshad.mahmood@aiou.edu.pk
Associate Professor, Allama Iqbal Open University, Islamabad

سرگذشت: مرزا عزیز فیضانی دارا پوری کی غیر مطبوعہ خود نوشت

SARGUZASHT: UNPUBLISHED AUTOBIOGRAPHY OF MIRZA AZIZ FAIZANI DARAPURI

DOI: https://doi.org/10.56276/tasdiq.v4i01.82

ABSTRACT

Mirza Aziz Faizani Darapuri was a relatively lesser known but prolific poet and writer of the Twentieth century. He has written admirable poetry in Persian, Urdu and Punjabi Languages. His poetry and articles were published in the leading newspapers and literary journals of his time. He lived a short but meaningful life and taught the Muslim Ummah a united and practical life through his poetry and writings. He was truly the heir and follower of poets like Maulana Hali, Akbar Allhabadi, Allama Iqbal and Zafar Ali Khan. He wrote many books in poetry and prose. A few books were published in his lifetime but many books are still unpublished. His autobiography: Sarguzasht is also included in these unpublished books. His autobiography despite being short is a true reflection of all the important events and circumstances of his life. This autobiography is an important addition to the biographical literature of Urdu in terms of the authenticity of its text, simplicity of expression and charm of language. This article provides a detailed introduction to Mirza Aziz Faizani's autobiography as well as its value and importance.

KEYWORDS
Mirza Aziz Faizani Darapuri, Biographical Literature, Urdu poetry, Urdu prose, Muslim Ummah, Concept of **a** meaningful life, Sarguzasht.

Received: 03-May-22
Accepted: 15-Jun-22
Online: 30-Jun-22

کلیدی الفاظ:
مرزا عزیز فیضانی دارپوری، سوانحی ادب، اردو نظم و نثر، امتِ مسلمہ، بامقصد زندگی کا تصور، سرگذشت۔

[۱]

مرزا عزیز فیضانی داراپوری کا شمار اپنے عہد کی متحرک اور فعال شخصیات میں ہوتا ہے۔ وہ صحیح معنوں میں ہمہ جہت انسان تھے۔ اُنھوں نے اگرچہ بہت کم عمر پائی مگر اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل پر مختلف شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ وہ بنیادی طور پر شاعر تھے مگر دوسرے علمی میدانوں میں بھی انھوں نے بے پناہ خدمات انجام دیں۔ مرزا عزیز فیضانی کا تعلق مغل خاندان سے تھا۔ آپ کے اجداد کنجاہ سے نقلِ مکانی کر کے دریائے جہلم کے کنارے رسول ہیڈ ورکس کے قریب آباد ایک گاؤں داراپور میں آبسے تھے۔ یہی گاؤں مرزا عزیز فیضانی کا مولد و منشا ہے۔ آپ ۲۱ر محرم الحرام ۱۳۱۸ھ بہ مطابق ۲۱ر مئی ۱۹۰۰ء میں مرزا شیر عالم داراپوری کے گھر پیدا ہوئے۔ پرائمری کا امتحان اپنے گاؤں سے پاس کیا۔ گاؤں میں مزید تعلیم کا بندوبست نہ تھا اس لیے جہلم کے قریب ایک قصبے سنگھوئی کے مشن سکول میں داخل ہوگئے اور وہاں سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ مرزا عزیز فیضانی کے والد اُن دنوں بہ سلسلۂ ملازمت ملتان میں مقیم تھے، مزید تعلیم کے لیے وہ ملتان چلے گئے اور مشن سکول، ملتان سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ میٹرک کرنے کے بعد وہ اسلامیہ کالج، لاہور میں داخل ہوئے۔ مرزا عزیز کے والد سے ان کے بعض قریبی دوستوں نے کہا کہ تم ایک مذہبی اور علمی خاندان کے فرد ہو اور بیٹے کو رسمی اور دُنیاوی تعلیم دلا رہے ہو؟ دوستوں کی بات سے وہ اتنے متأثر ہوئے کہ فی الفور اپنے بیٹے کو کالج سے اُٹھا لیا۔ بعد میں مرزا عزیز فیضانی نے اپنے تایا مولوی حکیم نور عالم کی تحریک پر اسلامیہ کالج ہی میں طب کی کلاسوں میں داخلہ لے لیا۔ اُن دنوں طبیہ کالج کا قیام عمل میں نہ آیا تھا اور طب کی کلاسیں اسلامیہ کالج ہی میں ہوتی تھیں۔ مرزا عزیز سال ڈیڑھ طب کی تعلیم حاصل کرتے رہے مگر اچانک شدید بیمار ہوگئے۔ بیماری نے طول پکڑا اور ان کی صحت بُری طرح متأثر ہوئی۔ خرابیِ صحت کے باعث حکمت کی تعلیم ادھوری رہ گئی۔ علمی، ادبی اور دینی کتابیں پڑھنے کا شوق انھیں بچپن سے تھا، اس لیے یہ سلسلہ جاری رہا، وہ باقاعدگی سے اپنی ضرورت کی کتابیں خریدتے اور ان کا مطالعہ کرتے۔ یوں کتابیں گھر میں جمع ہونے لگیں اور آخر ایک چھوٹا سا کتب خانہ وجود میں آگیا۔

کچھ عرصہ بے کار گزارنے کے بعد ایک اخبار میں ۷۵ روپے ماہوار پر سب ایڈیٹر کے فرائض انجام دینے لگے۔ والدِ مکرم کو علم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور فوراً اخبار سے الگ ہونے کی تاکید کی۔ آپ نے ان کے حکم کی تعمیل کی اور اخبار کی ملازمت ترک کر دی۔ بعد ازاں انھی کے اصرار اور حکم پر انسپکٹر جنرل سول ہسپتال، پنجاب کے دفتر میں ملازمت اختیار کر لی۔ یہ ملازمت اگرچہ اُن کے مزاج سے کسی طرح مطابقت نہیں رکھتی تھی مگر والد کے حکم کے باعث زندگی بھر اسی ملازمت سے وابستہ رہے۔ وفات کے وقت وہ سٹور برانچ میں ہیڈ اسسٹنٹ کی اسامی پر کام کر رہے تھے۔ مرزا عزیز فیضانی جون ۱۹۴۵ء میں بیمار ہوئے، انھیں میو ہسپتال میں داخل کرایا گیا مگر مرض نے انھیں سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور چند دن کی بیماری کے بعد ۳ر جون ۱۹۴۵ء میں انتقال ہو گیا۔

مرزا عزیز فیضانی میں شعر و ادب کا ذوق فطری تھا۔ طالب علمی کے زمانے میں انھوں نے شعر گوئی کا آغاز کیا اور بہت جلد اُن کا کلام اس وقت کے معروف رسائل اور اخبارات جیسے: صوفی، معارف، زمیندار، احسان، انقلاب، شبابِ اُردو، عالم گیر، شیرازہ اور حقیقتِ اسلام میں شائع ہونے لگا۔ شاعری میں اصلاح کے لیے انھوں نے شوکت میرٹھی سے سلسلہ جوڑا مگر ایک آدھ نظم کے علاوہ کلام بہ غرض اصلاح نہ بھجوا سکے اور ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ذوقِ سلیم ہی اُن کا استاد اور رہنما رہا۔ نثری

اصناف میں بھی انھوں نے طبع آزمائی کی۔ اُن کے افسانے اور مضامین معروف ادبی اور علمی رسائل میں شائع ہو کر مقبولِ خلائق ہوئے۔ اُن کی شاعری ملی شاعری کا قابلِ افتخار نمونہ ہے۔ اُنھوں نے مولانا الطاف حسین حالی، علامہ محمد اقبال، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان اور دوسرے ملّی شعرا کے خوانِ شعر سے استفادہ بھی کیا اور اس کی تقلید بھی کی۔ اپنی اختراعی صلاحیتوں کے باعث ملّی شاعری کی روایت میں کئی اضافے بھی کیے۔ اُن کے شعری کمالات کا اعتراف کرتے ہوئے سیّد ضمیر جعفری رقم طراز ہیں:

> "ہمارا شمار جناب عزیز فیضانی کے خوشہ چینوں میں ہوتا ہے۔ ہم نے بل کہ ہمارے پورے ادبی عہد نے عزیز فیضانی صاحب کے فیضانِ شعری میں آنکھ کھولی تھی۔ دریائے جہلم کے کنارے کنارے ادب کا ایک دوسرا دریا ان کی ذات میں ہماری زمینوں میں بہہ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ اُن کا فن اس دل کشا آرٹ کا مظہر ہے جو تھوڑے کو بہت اور مشکل کو آسان بنا دیتا ہے۔ یہ شاعری نہیں، دلوں کی کھیتیوں کو سیراب کرنے والا دوسرا دریائے جہلم ہے۔"(۱)

ایک علمی اور دینی خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مرزا عزیز فیضانی کا بیش تر شعری اور نثری سرمایہ دین کی خوشبو سے مہکتا ہے۔ انھوں نے کئی کتابیں تخلیق اور تصنیف کیں، افسوس کہ اُن کا بہت سا سرمایۂ نظم و نثر اُن کی مختصر زندگی میں منصۂ شہود پر جلوہ گر نہ ہو سکا اور اُن کے فرزندِ ارجمند ڈاکٹر محمود فیضانی کی سعی و کوشش سے پچاس، ساٹھ سال بعد اُن کی کچھ کتابیں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئیں۔ اس کے باوجود اُن کی کئی کتابیں ہنوز محرمِ اشاعت کو ترستی ہیں۔ علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد کے شعبۂ اُردو کے سکالر جناب مشتاق احمد نے ۱۹۹۵ء میں ان کی علمی و ادبی خدمات پر ڈاکٹر صابر کلوروی کی رہنمائی میں ایم فل کا مقالہ لکھا۔ مرزا عزیز فیضانی کی تصانیف و تالیفات درجِ ذیل ہیں:

1۔ قصیدۂ عزیزیہ: مطبوعہ ۱۹۳۴ء

2۔ چہل شعر فیضانی: رسوماتِ قبیحہ کی تردید میں چالیس اشعار پر مشتمل نظمیہ حقیقتِ اسلام میں شائع ہوا۔ بعد ازاں بنگلور کے ایک مخیر نے کتابچے کی صورت میں چھپوا کر تقسیم کیا۔

3۔ سی حرفی فیضانی بر معراجِ جسمانی (پنجابی): ۱۹۳۳ء

4۔ شہادتِ اعدا بر فضیلتِ مصطفیٰ ﷺ: ۱۹۳۸ء

5۔ اربعینِ فیضانی مع منظوم و منثور اُردو ترجمہ: ۱۹۳۹ء

6۔ چار ہار (چار پنجابی سی حرفیاں): س ن۔

7۔ الآثار فی الاشعار: دو صد احادیث کا منظوم و منثور ترجمہ: س ن۔

8۔ فنِ تفسیر: پہلے یہ مضمون حقیقتِ اسلام میں بالاقساط شائع ہوا بعد ازاں ۱۹۳۷ء میں کتابی صورت میں طبع ہوا۔

9۔ فتنۂ رہبانیت: اولاً گیارہ قسطوں میں حقیقتِ اسلام میں شائع ہوئی، ۱۹۴۰ء میں کتابی صورت میں طبع ہوئی۔

10۔ متاعِ عزیز: فارسی اور اُردو کلام کا مجموعہ۔ مرزا عزیز کی وفات کے کم و بیش پچاس سال بعد اُن کے بیٹے ڈاکٹر محمود فیضانی نے شائع کیا۔

11۔ گلشنِ پنجاب (پنجابی کلام)؛ نشریات، لاہور؛ ۲۰۰۸ء۔

مندرجہ بالا مطبوعہ کتابوں کے علاوہ اُن کی کئی تصانیف ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔ یہ تصانیف مختلف موضوعات کی حامل ہیں، جن سے مرزا عزیز کے مطالعے کی ہمہ رنگی کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کی چند اہم غیر مطبوعہ تصانیف یہ ہیں:

- ☆ شعلہ زارِ عزیز (علمی، ادبی اور تحقیقی و تنقیدی مضامین کا مجموعہ)
- ☆ معین الشعراء (بیان، بدیع، معانی اور عروض)
- ☆ تجلیاتِ ایران (ڈاکٹر براؤن کی تصنیف "تاریخِ ادبیاتِ ایران" کی تلخیص)
- ☆ اشاریۂ فیضانی بر مطالبِ قرآنی
- ☆ خلیفۃ اللہ
- ☆ سفر نامۂ فیضانی
- ☆ سرگذشت (خود نوشت) (۲)

مرزا عزیز فیضانی نے طالب علمی کے زمانے میں شعر و ادب کی وادی میں قدم رکھا۔ اُن کی پہلی شعری تخلیق ایک حمدیہ قطعہ تھا، جو چھٹی کے زمانۂ طالب علمی میں انھوں نے موزوں کیا۔ ایک دینی اور مذہبی گھرانے سے تعلق کے باعث ان کی ابتدائی شاعری کا رنگ دینی اور اخلاقی تھا، اس ابتدائی دور میں انھوں نے حمدیہ اور نعتیہ کلام زیادہ کہا اور اصلاحی اور اخلاقی نظمیں لکھیں۔ کالج میں پہنچے تو اس کے ماحول کے زیرِ اثر طبیعت غزل گوئی کی طرف مائل ہو گئی اور بہت تھوڑے عرصے میں بہت سا غزلیہ سرمایہ تخلیق کر ڈالا۔ کالج کی تعلیم بہ وجوہ ادھوری رہ گئی، لاہور سے وہ اپنے گاؤں دارا پور آ گئے؛ غزل گوئی یہاں بھی کچھ عرصہ جاری رہی مگر پھر اچانک اس سارے سرمائے کو ضائع کر دیا۔ وہ اپنی خود نوشت میں رقم طراز ہیں:

> "دو اڑھائی ماہ کے قلیل عرصے ہی میں جہاں ایک طرف مجھے نئی اور اعلا تعلیم کی بنیاد قائم کرنی تھی، وہاں دوسری طرف سو کے قریب غزلیات لکھ ماریں۔ یہ سلسلہ کالج چھوڑنے کے بعد دارا پور میں بھی جاری رہا۔ ہر ہفتے ہم تین چار پڑھے لکھے آدمی کھیتوں میں جا کر مشاعرہ کر لیتے تھے اور کئی غزلیں قلمی رسالے یا اخبار میں درج کر دی جاتیں۔ آخر کار ایک دن ایسا آیا کہ یک دم خیال پلٹ گیا۔ سب غزلیات کو آناً فاناً فنا فی النار کر دیا اور کوئی باقی نہ رہنے دی اور دورِ جدید کی سب سے پہلی نعت لکھی جو اسی عنوان کے تحت "یادگارِ عزیز" میں موجود ہے۔ ایک دو قومی نظمیں لکھیں اور آئندہ غزل شاید ایک دو فیصدی سے بھی کم رہ گئی۔ میری نظموں کا بیش تر حصّہ قومی اور نعتیہ ہوتا ہے اور بس!" (۳)

مرزا عزیز فیضانی دارا پوری نے جس وقت شاعری آغاز کی، فضا مولانا الطاف حسین حالی، علامہ محمد اقبال، مولانا ظفر علی خان، مولانا محمد علی جوہر اور دوسرے ملی شعرا کے نغموں سے گونج رہی تھی۔ مسلمانانِ ہند کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور انھیں آمادۂ عمل کرنے کے لیے شعرا خیالی دُنیا کے سحر آگیں مناظر کی جلوہ گری اور ہجر و وصال کی جھوٹی سچی کہانیوں کے بجائے قومی اور ملی حمیت اور دینی غیرت کے جذبات سے معمور شاعری کی تخلیق میں مصروف تھے۔ اپنے ذاتی رجحان اور ایک دینی گھرانے سے تعلق کے باعث مرزا عزیز فیضانی بھی اسی رنگِ سخن کے اسیر ہو گئے اور ملی و اصلاحی شاعری کی تخلیق میں منہمک ہو گئے۔ مرزا فیضانی بہت پُر گو اور قادر الکلام شاعر تھے اور ہر طرح کے خیال کو مؤثر انداز میں نظم کرنے کی صلاحیت رکھتے

تھے۔ان کا کلام اور ان کی نثری نگارشات اپنے وقت کے نمائندہ علمی، ادبی اور دینی رسائل اور اخبارات میں تواتر و تسلسل کے ساتھ اشاعت پذیر ہوئیں جنھیں قبولِ عام کی سند ملی اور علمی وادبی حلقوں میں اُن کا نام عزت واحترام سے لیا جانے لگا۔اُردو کے ساتھ ساتھ پنجابی اور فارسی زبان میں بھی انھوں نے طبع آزمائی کی اور بہت سا شعری سرمایہ ان زبانوں میں بھی یادگار چھوڑا۔افسوس! کہ مرزا عزیز فیضانی کو بہت کم مہلتِ کار نصیب ہوئی اور وہ زندگی کی صرف پینتالیس بہاریں دیکھنے کے بعد اس عالمِ فانی سے رخصت ہوئے۔ان کے انتقال کے بعد تقسیمِ ہندوستان کے نتیجے میں فسادات پھوٹ پڑے اور سب کچھ تہ وبالا ہو کر رہ گیا۔وہ علمی ماحول جس میں مرزا عزیز فیضانی ایک قد آور سخن ور اور ایک ممتاز ملی شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے تھے،اس کے رنگ بکھر بکھر گئے۔اس صورتِ حال میں اُن کا غیر مطبوعہ علمی اور تخلیقی سرمایہ ایک طویل عرصہ تک محرمِ اشاعت کو ترستا رہا۔ان کے صاحب زادے مرزا محمود فیضانی کی سعی و کوشش سے اُن کی چند کتب پچاس ساٹھ سال کے بعد شائع ہوئیں اور کئی ابھی تک غیر مطبوعہ صورت میں ہیں۔فراموشی کی اس مسلسل فضا کے باعث مرزا عزیز فیضانی کا نام اور کام علمی وادبی حلقوں اور نئی نسلوں کے لیے اجنبی بنا رہا اور وہ اس قادر الکلام شاعر کے شعری فیضان سے محروم رہیں۔

[۲]

مرزا عزیز فیضانی کے غیر مطبوعہ آثار میں ان کی خود نوشت بہ عنوان سرگذشت بھی شامل ہے۔۲۰۰۹ء میں مرزا عزیز فیضانی کے فرزندِ ارجمند مرزا محمود فیضانی مرحوم نے میری دل چسپی کے پیشِ نظر اس کی ایک عمدہ اور صاف فوٹو کاپی مجھے مہیا کی تھی۔مصنف کے قلم سے لکھی یہ سرگذشت ۶۹ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔مشتاق احمد نے اپنے ایم فل کے مقالے بہ عنوان: "مرزا عزیز فیضانی (داراپوری): احوال وآثار" میں اس کے صفحات کی تعداد پینسٹھ درج کی ہے جو درست نہیں۔(۴)

سرگذشت کے صفحے کا سائز ۶x۱۰ انچ ہے اور لائنوں کی تعداد یکساں نہیں۔مرزا عزیز فیضانی کا خط صاف اور خوانا ہے۔ابواب اور فصلوں کے عنوانات جلی قلم میں ہیں، کہیں کہیں بعد میں اضافے کیے گئے ہیں جو سبک نویسی کے باعث الگ سے شناخت کیے جاسکتے ہیں۔کتاب کو بچوں اور عزیز واقارب کے نام معنون کیا گیا ہے اور سرنامے کے طور پر مصنف نے اپنا یہ شعر درج کیا ہے:

میں کیا ہوں اے عزیز ،مری سرگذشت کیا
لکھا ہے دل کے خون سے عنوانِ آرزو

مصنف نے سرگذشت کے دیباچے میں ذکر کیا ہے کہ اولاً انھوں نے اپنی زندگی کے احوال کو نہایت تفصیل کے ساتھ قلم بند کیا تھا جو چار پانچ سو صفحات کی ایک ضخیم کتاب بن گئی تھی۔اس میں سوانحِ حیات کے ساتھ ساتھ افکار اور عقائد کی طول طویل بحثیں بھی شامل تھیں۔بعد میں اسے غیر ضروری خیال کرتے ہوئے نہ صرف ضائع کر دیا بلکہ حالاتِ زندگی کو لکھنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔مرزا عزیز فیضانی کے الفاظ میں:

> "اس سے پہلے بھی میں نے ایک لمبی چوڑی سرگذشت لکھی تھی مگر اس میں طول طویل تذکرے چھڑ گئے تھے ،جن کی تفصیلات نے سوانح عمری کو سوانح عمری نہیں رہنے دیا تھا۔ان تذکروں میں چند عقاید پر مستقل ابحاث وغیرہ کو مشرّح لکھا گیا تھا اور قریباً اسی سایز پر کوئی چار پانسو کے قریب صفحات ہو گئے تھے۔جس کو بدیں وجہ غیر

مناسب سمجھا گیا کہ میری ہستی تشریح کے لائق نہیں۔ میں کیا اور یہ ابحاث اور تشریحات کیا؟ چھوٹا سا آدمی ہوں، حالات بھی محدود اور ذاتی ہیں۔ پس ذات و وجود سے متعلق حالات کو احباب و اقارب تک ہی پہنچانا چاہیے تھا۔ مگر اب کہ [کے] فقط حالات کا خلاصہ محفوظ کرنے کا خیال ہے، احباب تک خواہ مخواہ پہنچانے کا نہیں۔ یہ ضروری ہو گیا کہ اس تفصیل کو چھوڑ دیا جائے۔ چناں چہ وہ کتاب تلف کر دی گئی اور مدت تک ارادہ بھی ترک کر دیا۔"(۵)

۱۳۴۵ ہجری بہ مطابق ۱۹۲۷ء میں انھیں دوبارہ اپنے حالاتِ حیات کو محفوظ کرنے کا خیال پیدا ہوا، اس کے نتیجے میں یہ مختصر سرگذشت وجود میں آئی۔ پہلی طویل سوانح حیات اس سے کم و بیش چار پانچ سال قبل تحریر کی گئی تھی گویا بائیس تئیس سال کی عمر میں اور پھر ستائیس سال کی عمر میں دوبارہ اپنے حالاتِ حیات کو قلم بند کرنے کا احساس دامن گیر ہوا۔ انھیں اپنی خود نوشت قلم بند کرنے کا خیال کیوں آیا، کتاب کے دیباچے میں اس کے متعدد اسباب کا ذکر کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں:

"سب سے بڑی بات یہ ہے کہ گو ہم صفحۂ ہستی پر ایک حرفِ غلط کی طرح ہیں اور دُنیا کے ایک ذرّے کو بھی ہماری موجودگی یا عدم موجودگی یعنی زندگی اور موت کے فرق کا احساس تک نہ ہو گا، مگر آخر جب اٹھیں گے تو ایک نقش بٹھا کر اٹھیں گے (ان شاء اللہ العزیز) پس یہ قدرتی تقاضا ہو گا کہ اُس حرف کا علم حاصل کیا جائے، جس کا دھبہ کاغذ پر رہ گیا ہے۔ شاید خاندانی سلسلے کی عبارت میں اسی حرف ست ربط قائم ہو جائے۔ علاوہ ازیں ہمیں اپنے آباو اجداد کے مکمل و مفصل حالات کے حاصل کرنے میں جو دِقت اور پھر طرّہ یہ کہ سخت ناکامی ہوئی ہے، اس سے ہم عبرت کا سبق سیکھے بغیر نہیں رہ سکتے۔ حالات جو نسب اور شجرہ وغیرہ کے متعلق ہیں، وہ تو معلوم ہیں مگر جنھیں علم الانساب کا خاص شوق ہے، وہ اس کے تمام فوائد کو، جن کا خیال بھی دوسروں کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتا، مدِ نظر رکھتے ہوئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کم از کم سب سے پہلے اپنے ہی خاندان کے بزرگوں کے ضروری حالات بہم پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی کوشش ہم نے کی ہے مگر بہت کم ثمرہ ملا۔ میرے دل نے اس سے بھی یہ نتیجہ نکال لیا ہے کہ گو ہم کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتے مگر ہر شخص اپنے خاص حالات اور خصوصیات رکھتا ہے، جن کا علم اور نہیں تو اس کی اولاد اور احباب و اقارب کو تو ضرور ہونا چاہیے۔ مگر یہی حالت اور تاریکی چھائی رہی تو آئندہ آنے والے لوگوں کو بھی یہی تکلیف رونما ہو گی، جس کا ہمیں سامنا کرنا پڑا ہے۔ لہٰذا اپنے واقعات خود لکھ دینے چاہییں تا کہ اگر وہ کاغذی صورت میں قائم رہیں تو خاندانی روایات کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔ ہر والد یا والدہ اپنے بچوں کے لیے نمونہ ہے۔ خواہ وہ بُرا نمونہ ہو یا اچھا۔ موت کا کچھ اعتبار نہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنے بچوں کی خاطر (خدا انھیں زندہ و سلامت رکھے اور بڑھائے) اپنے حالات بہ طور نمونہ و عبرت (ہر چہ باشد) قائم اور محفوظ ہو جائیں۔

ہر شخص دُنیا میں تجربہ حاصل کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ اس لحاظ سے احباب و اقارب بھی کسی دوست یا قریبی کی سوانح عمری پڑھ کر سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ میرا دعویٰ نہیں مگر عام اصول ہے۔ ممکن ہے اعلیٰ درجے کے حضرات کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو اور اغلب ہے کہ کئی احباب یا خود اپنی اولاد اس سوانح عمری سے بہت کچھ سبق لے سکیں۔ خواہ نمونہ کے طور پر ہوں یا عبرت کے طریقہ پر۔ ان تمام امور کو پیشِ نظر رکھ کر میں

نے چند روز ہوئے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ جس قدر جلدی ممکن ہو ا، اپنے ضروری حالاتِ زندگی کو مختصر پیرائے میں لکھ کر خاندانی روایات کے سلسلے میں ایک کڑی کی حیثیت دے دی جائے۔"(۲)

یہ خود نوشت کتنے عرصے میں مکمل ہوئی،اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ اس کا آغاز ۱۳۴۵ہجری بہ مطابق ۱۹۲۷ء میں ہوا، جیسا کہ سرورق پر درج کیا گیا ہے اور دیباچے پر بھی یکم شوال المکرم ۱۳۴۵ہجری ہی درج ہے مگر اس میں آغاز سے لے کر ان کی چالیس، اکتالیس سالہ زندگی کے حالات و واقعات شامل ہیں، گویا اس کو مکمل ہونے میں لگ بھگ تیرہ چودہ برس کا عرصہ لگا۔ عزیز فیضانی بہت زود نویس تھے، یہ ممکن نہیں کہ اس مختصر کتاب کی تکمیل میں انھیں اتنا زیادہ وقت لگا ہو، اس لیے میرا خیال ہے کہ انھوں نے اپنے ستائیس سالہ زندگی کے احوال چند دنوں میں کتابی صورت میں تحریر کر دیے ہوں گے اور بعد کے حالات و واقعات گاہے گاہے اس میں اضافہ کرتے رہے ہوں گے۔ ان کی زندگی کے آخری پانچ سال کے حالات و واقعات اس میں شامل نہیں۔ اس عرصے میں وہ بیمار رہے اور عزیزوں کی جدائی کا صدمہ بھی انھیں جھیلنا پڑا۔ وہ لکھنے پڑھنے سے بیزار ہو گئے تھے، اس لیے اس عرصے کے واقعات سرگذشت میں شامل نہ ہو سکے۔ موجودہ صورت میں یہ خود نوشت نامکمل اور ناتمام ہے۔

مرزا عزیز فیضانی کی سرگذشت مختصر ہونے کے باوجود ان کی زندگی کے تمام اہم حالات اور واقعات کا احاطہ کرتی ہے۔ تمہیدی باب میں انھوں نے اپنی قوم، وطن اور آباؤ اجداد کا اجمالی تعارف کرانے کے ساتھ اپنا شجرۂ نسب درج کیا ہے۔ اگلے ابواب میں اپنی پیدائش اور ابتدائی حالات سے لے کر اپنی تعلیم و تربیت، ملازمت، شادی، اولاد، عقائد و نظریات، عادات و خصائل، سیاحت، احباب و اقارب اور مجلسی زندگی کے بارے میں اہم واقعات شامل کیے ہیں۔ انھوں نے اپنی مضمون نویسی اور شعر گوئی کے محرکات اور آغاز کا ذکر بھی کیا ہے اور اپنی کتاب بینی اور اخبار نویسی کے متعلق بھی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ مرزا عزیز فیضانی کو قدرت نے کئی اوصاف و کمالات سے نوازا تھا۔ وہ عام بچوں کی نسبت زیادہ ذہین اور فطین تھے اور ان میں تخلیقی اور اختراعی صلاحیت غیر معمولی تھی۔ وہ پرانے راستوں پر چلنے کی بجائے اپنے لیے نئے راستے وضع کرنے کی فکر میں رہتے۔ بچپن میں انھوں نے کبھی ان کھیلوں میں دل چسپی نہ لی جن میں ان کے ہم عمر بچے ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے۔ انھوں نے نئے کھیل اختراع کیے اور اپنے دوستوں کو اس میں شامل کر کے سب کو حیران کر دیا۔ اپنے اختراع کیے ہوئے کھیلوں میں جنگِ احباب، عزیزی بیڑا اور بادشاہی کا ذکر انھوں نے قدرے تفصیل سے کیا ہے، ان کھیلوں سے اُن کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ "بادشاہی" کی تفصیل پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ دس بارہ سال کے بچے کے ذہن میں اس قدر منظم اور وسیع کھیل کا تصور کیسے پیدا ہوا؟ مرزا عزیز فیضانی نے اس کھیل کا تعارف یوں پیش کیا ہے:

" داراپور کے لڑکوں کو یہ کھیل ابھی تک یاد ہے۔ اس میں بیسیوں لڑکے شامل ہوتے تھے اور اکثر سارا سارا دن مسلسل بغیر انقلاب یا بغاوت کھیل جاری رہتا تھا(یعنی بگڑتا نہ تھا)۔ اس میں بہت سے قضیئے اور کافی شعبے ہوتے تھے۔ تفصیل فضول ہے، اشارتاً اتنا ہی کافی ہے کہ ٹھیکریوں کا سکہ اور شہر، پہاڑ، دریا، نہریں اور جنگلات وغیرہ سب کے نمونے بنائے جاتے تھے۔ ایک ڈیوڑھی مع صحن خالی پڑی تھی۔ وسعت کافی تھی، کوئی مخل نہ ہوتا تھا۔ ضابطے، قوانین اور جغرافیہ یہ سب کچھ طیار ہو جاتا عہدہ دار بن جاتے۔ ارادتاً چوریاں ہوتیں، مقدمات طے

ہوتے۔ قید خانے، ہسپتال، مدرسے الغرض ہر کام کا نمونہ ضرور موجود ہوتا۔ علاوہ ازیں میلے لگتے۔ سڑکیں (جن پر دو رویہ چھوٹی چھوٹی سبز ٹہنیوں کو گاڑ کر درخت کی طرح کھڑا کیا جاتا تھا) پُل اور باغ بھی ہوتے تھے۔ لطف یہ کہ مجھے خبطی مل ہی جاتے تھے اور اخیر وقت تک نظام اور آئین قائم رہتا۔ سب سے بڑی چیز، جسے میں کھیل کی جان سمجھتا تھا، نظام کی پابندی ہی تھی۔ اس کھیل میں قریباً دُنیا کی ساری باتیں ہوتی تھیں۔ آنکھوں والوں کے لیے بہت سبق تھے۔ یہ کھیل جامع تھا اور احباب سارا سارا دن بڑے ذوق و شوق سے مصروف رہتے۔ چند بزرگوں کی بھی یہ رائے تھی کہ اس سے کئی لڑکے سنجیدہ اور دانا ہو جائیں گے۔"(۷)

مرزا عزیز فیضانی کو کتاب خوانی کا شوق بچپن سے تھا۔ ان کے حد سے بڑھے ہوئے اس شوق کو ان کے والدین بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک بار والدہ نے ان کے ہاتھ سے کتاب چھین کر پھینک دی اور ڈانٹا کہ ہر وقت کتابیں ہی پڑھتے ہو، آرام اور دوسرے کاموں کی طرف بھی توجہ دیا کرو۔ مگر اس ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود ان کا شوقِ فراواں کم نہ ہوا۔ والدِ گرامی سے بھی وہ ہمیشہ کتابوں کی فرمائش کرتے۔ سرگذشت میں شامل کئی واقعات سے ان کے شوقِ مطالعہ اور کتاب دوستی کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک دل چسپ واقعہ ان کی زبانی سُنیے:

"والدین اور بزرگ شوقِ مطالعہ پر خوش تو تھے مگر حد سے بڑھے ہوئے شوق کو ہر کوئی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ چناں چہ کتابوں کے عشق پر سب کہتے تھے کہ کچھ کھایا پیا بھی کرو۔ چناں چہ ایک دفعہ کھانے پینے کی نیت سے کہہ کر گھر سے معمول سے زیادہ پیسے منگوا لیے اور گھی (ضرورت سے زیادہ) خرید لیا۔ بسم اللہ ایک چھٹی کے دن کی، معمول سے زیادہ کھالیا اور خوب سویا، یہاں تک کہ ظہر کی نماز بھی گئی اور سارا دن کوئی کتاب نہ پڑھی۔ جاگ کر سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ گھی کو بیچ کر فوراً ایک مذہبی کتاب خرید لی۔"(۸)

ان کی طبیعت میں شعر گوئی کا وفور گندھا ہوا تھا۔ مختصر عرصۂ زندگی میں انھوں نے جو سرمایہ تخلیق کیا، اس سے اُن کی پُر گوئی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اُردو، پنجابی، فارسی میں انھوں نے بے شمار نظمیں، غزلیں، نعتیں، قطعات، مثنویاں، سی حرفیاں اور دوسری کئی اصنافِ سخن میں کلام کہا۔ ایک نظم انگریزی میں بھی لکھی۔ مضامینِ نثر کا سرمایہ اس پر مستزاد ہے۔ جب ان کی طبیعت شعر گوئی پر مائل ہوتی تو رات کو اُٹھ اٹھ کر وہ شعر لکھتے، کبھی پوری پوری رات فکرِ سخن میں صرف ہوتی۔ اپنی اس کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"شاعری میں لذت کچھ اس قدر ہے کہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ کئی نظمیں آدھی آدھی رات کو اٹھ کر لکھی ہیں۔ کئی نظموں کے لیے نمازِ عشا کے بعد جو بیٹھا تو صبح ہی کر کے اُٹھا۔ ان میں سے ایک نظم "اے ستارو!" ہے جو رسالہ صوفی میں شائع ہوئی تھی۔ یہ ذوق صورتاً خبط سے کسی صورت کم نہیں۔ دفتر میں کام کرتے ہوئے اگر خیال آ گیا تو مسل گویا سامنے رہی ہی نہیں اور شعر لکھنے شروع کر دیے مگر یہ کچھ خدا کا کرم ہے کہ فرائض سے شاعری نے آج تک ایک دفعہ بھی غافل نہیں کیا۔ فالحمدللہ۔"(۹)

مرزا عزیز فیضانی کی خود نوشت کی سب سے بڑی خوبی اس کی صداقت ہے۔ انھوں نے پوری سچائی کے ساتھ اپنے واقعاتِ حیات اور حالاتِ زندگی کو پیش کر دیا ہے۔ وہ چوں کہ زندگی کی مقصدیت کے قائل تھے، اس لیے وہ کھیل تماشے اور سیر و تفریح کو بھی مقصدیت کے تابع خیال کرتے تھے۔ اپنی پسند اور ناپسند کے اظہار میں وہ کسی جھجک کا شکار نہیں ہوتے بلکہ

جو دل میں ہوتی ہے، اسے کاغذ پر لکھ دیتے ہیں۔ جن کاموں یا چیزوں کو وہ لغو اور فضول خیال کرتے ہیں، لگی لپٹی کے بغیر ان کا ذکر کرنے سے وہ ہچکچاتے نہیں۔ ان کا حافظہ بہت قوی ہے۔ انھوں نے اپنے بچپن اور لڑکپن کے واقعات کو بھی تمام تر جزئیات کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مرزا عزیز فیضانی کا اسلوبِ نثر سادہ اور عام فہم ہے مگر دل چسپی اور دل کشی سے خالی نہیں۔ مذہبی رجحان اور عربی فارسی زبانوں سے آشنائی کے باوجود ان کی زبان سادہ اور سلیس ہے اور غریب اور دقیق الفاظ وتراکیب سے پاک ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں اظہارِ مطلب کو عمدگی سے ادا کرنے پر انھیں قدرت حاصل ہے۔ ان کی تحریر میں سادگی اپنا جادو جگاتی ہے اور قاری ان کی تحریر کو ذوق وشوق سے پڑھتا چلا جاتا ہے۔ سرگذشت سے ایک اقتباس دیکھیے:

> "درد عجیب کیفیت ہے۔ بہترین نعمت ہے اور زندگی کی لذت۔ اس کے فوائد نہ پوچھو، اہلِ درد ہی جانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں یہ اخلاص پیدا کرتا ہے۔ عشقِ الٰہی میں کامیاب کرتا ہے۔ قوم کی طرف توجہ کرے تو اہلِ درد کو "سید القوم خادمہم" کا مصداق بنا دیتا ہے۔ دل کو مصروف رکھے تو نشہ آور اشیا کے بغیر اسے دُنیا کے تفکرات سے بالا رکھتا ہے۔ یہ سب درست ہے مگر میرے نزدیک یہ الہامی چیز ہے؛ آسمانی نعمت ہے۔ زندگی کی لذت ہے، اس کا مقصد ہے اور مقصد کے حصول کا ذریعہ۔ خدا اہلِ درد کو استقلال عطا فرمائے۔"(۱۰)

مرزا عزیز فیضانی دارا پوری نے بہت مصروف اور مقصدیت سے معمور زندگی بسر کی۔ خداداد صلاحیتوں اور اختراعی لیاقتوں سے اُنھوں نے اپنی بے رنگ زندگی کو خوش رنگ بنانے کی سعی وکوشش کی، جس کا اندازہ یہ مختصر خود نوشت پڑھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ اپنے متن کی سچائی، بیان کی صداقت، اسلوب کی سادگی اور مندرجات کی پیش کش کے حوالے سے سرگذشت اُردو کے سوانحی ادب میں اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔

حوالہ جات

1. ضمیر جعفری، سید: "تحفۂ ضمیر" مشمولہ: گلشنِ پنجاب؛ نشریات، لاہور؛ ۲۰۰۸ء؛ ص ۱۰۔
2. عزیز فیضانی، مرزا: گلشنِ پنجاب؛ لاہور؛ نشریات؛ ۲۰۰۸ء؛ ص ۴۵۔
3. سرگزشت: مرزا عزیز فیضانی دارا پوری؛ غیر مطبوعہ؛ ص ۱۸۔
4. مشتاق احمد: مرزا عزیز فیضانی (دارا پوری): احوال وآثار؛ مملوکہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد؛ غیر مطبوعہ؛ ص ۱۳۵۔
5. دیباچہ مشمولہ: سرگزشت؛ ص ج۔
6. ایضاً: ص الف تاج۔
7. سرگزشت: ص ۱۰، ۱۱۔
8. ایضاً: ص ۲۸۔
9. ایضاً: ص ۲۱۔
10. ایضاً: ص ۱۶۔

سرگذشت کے چند صفحات کا عکس

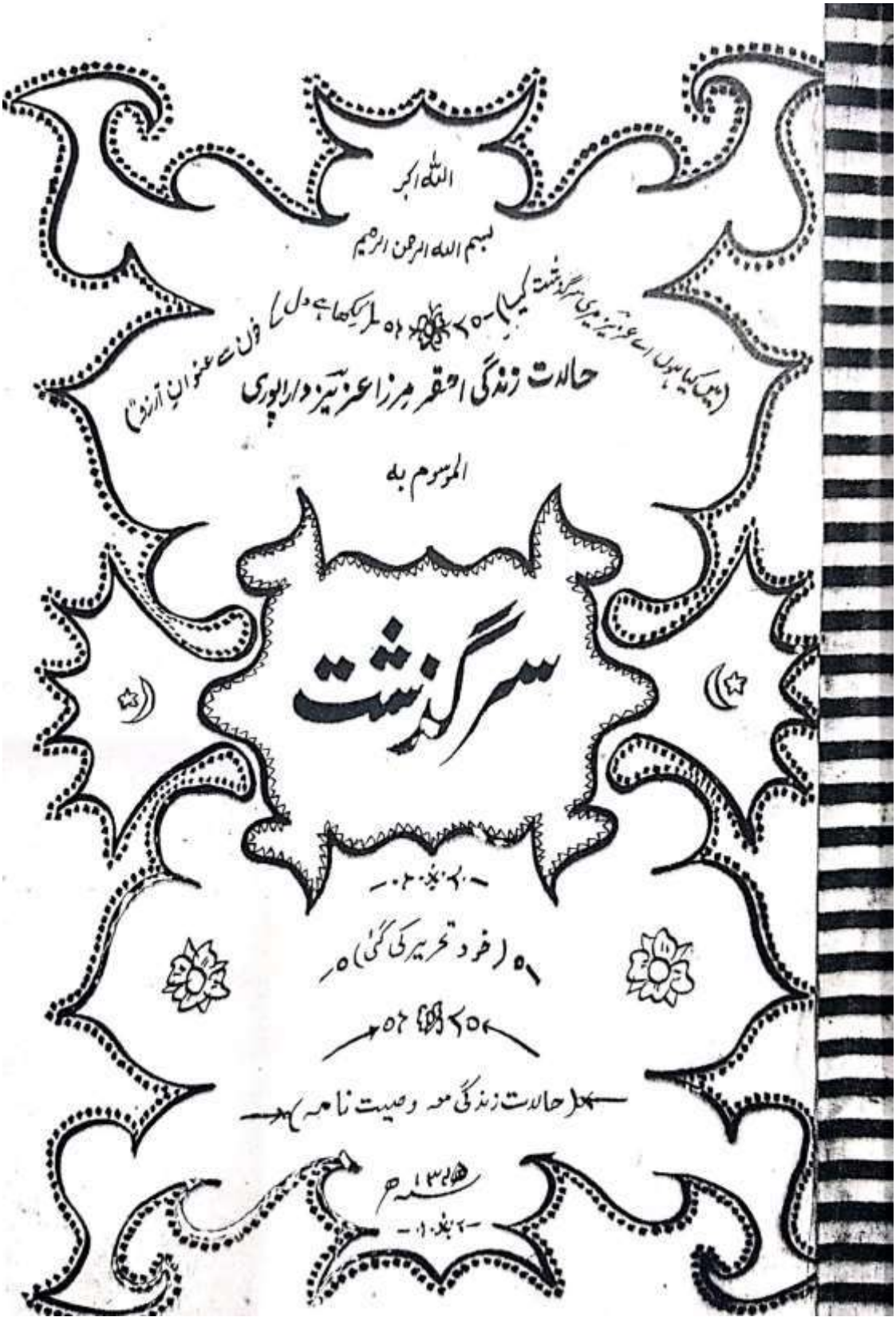

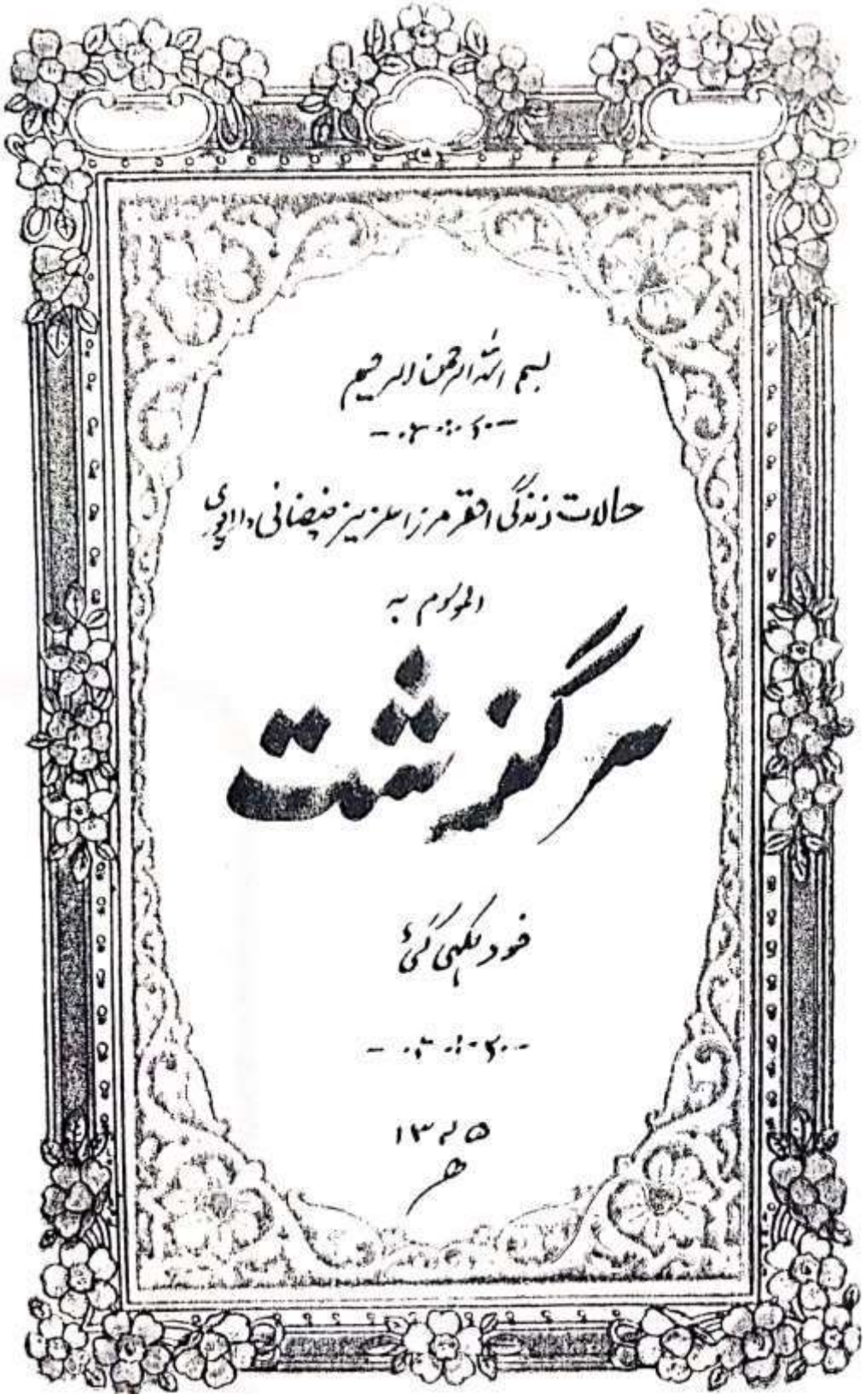

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالات زندگی احقر مرزا عزیز چغتائی دہلوی

الموسوم بہ

سرگزشت

خود لکھی گئی

۱۳۷۵ھ

فہرست مضامین

تمہید	۱
شجرۂ نسب حضرت والد مکرم	۲
حالات آباؤ اجداد	۳
آپ بیتی	۴
(۱) پیدائش نام وغیرہ	۷
(۲) ابتدائی حالات	۸
(۳) بچپن اور لہو ولعب	۹
علم وادب	۱۲
(۴) تعلیم وتربیت	۱۲
(۵) شاعری اور تصنیفات (نظم)	۱۶
(۶) مضمون نگاری اور تصنیفات (نثر)	۲۲
(۷) اخبار نویسی	۲۴
(۸) کتب بینی	۲۷
(۹) دارالتجربہ	۳۳
(۱۰) الواب علم وادب کا خلاصہ	۳۴
مجلسی زندگی	۳۶
(۱۱) صحبت	۳۶
(۱۲) انجمنوں کا قیام	۳۸
عقاید و خیالات	۴۴
(۱۳) مذہب	۴۴
(۱۴) سیاسیات	۴۶
(۱۵) خیالات و رجحان طبع	۴۸
عادات	۵۰
(۱۶) خصائل	۵۰ (۱۷)

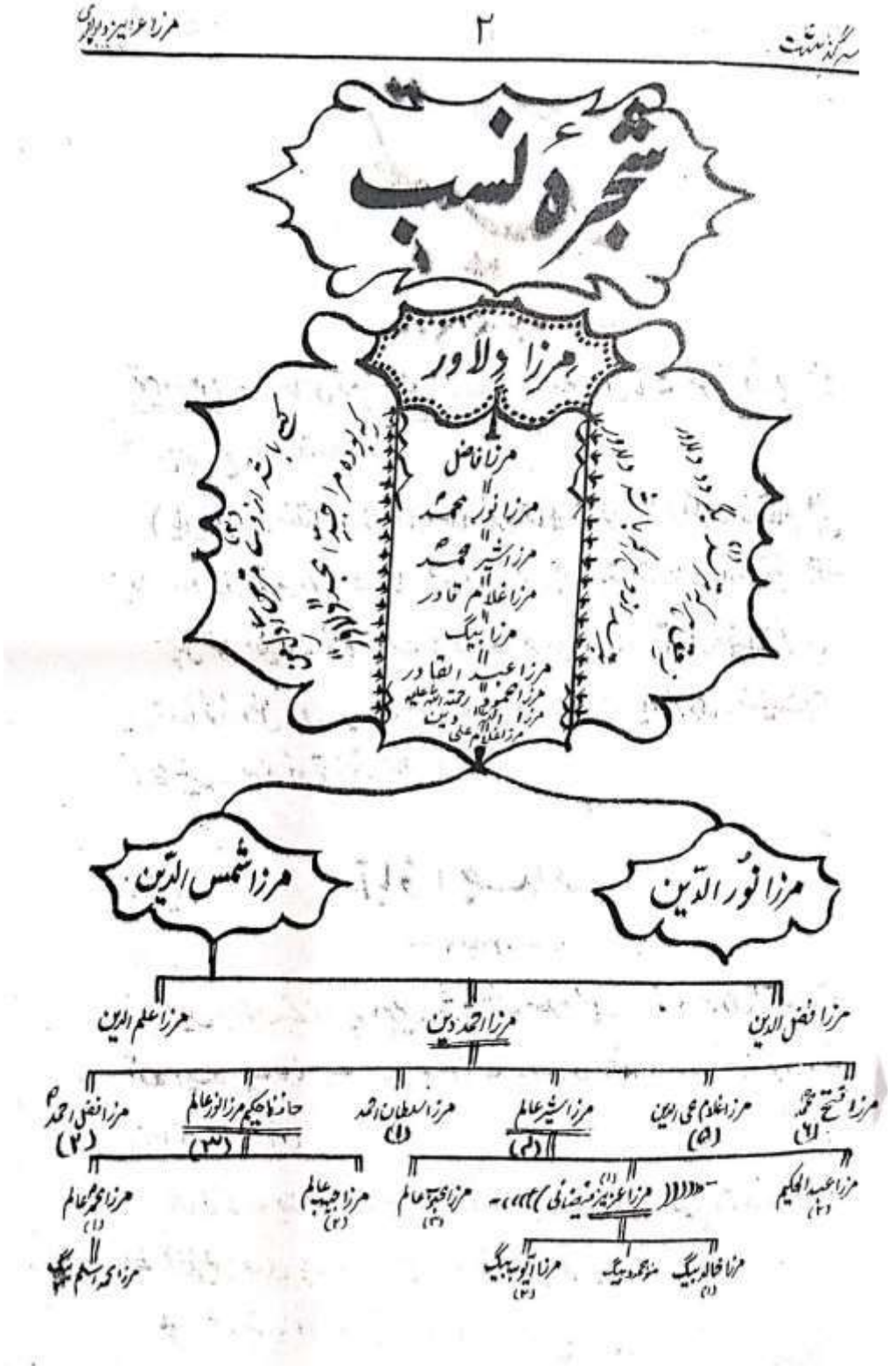

۲
شجرۂ نسب
مرزا دلاور
مرزا فاضل
مرزا نور محمد
مرزا شیر محمد
مرزا غلام قادر
مرزا بیگ
مرزا عبد القادر
مرزا شمس الدین
مرزا نور الدین
مرزا فضل الدین
مرزا احمد دین
مرزا علم الدین